ڈاکٹر جواد ہمدانی

اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آباد

بیسویں صدی میں فارسی شاعری کے رجحانات

Dr. Jawad Hamdani

Assistant Professor, International Islamic University, Islamabad

Ternds of Persion Poetry in 20th Century

Twentieth century was the saga of confliction of traditionalism and anti traditionalism. Traditional poets due to their traditional thoughts and techniques either consciously or unconsciously ignore Contemporary thoughts and problems of present era. While on other side modernists borrow their world view and thoughts from the west, they were also well aware of femiouism, liberty, nationalism and knowledge of the time, even than they could not relive from the pessimism and soreness of contemporary period . Neemayoushuj introduced Persian poetry to western style and thoughts, consequently many modern literary movements commenced but those were unable to trim down the identical and social current crises. At such time Iqbal's poetry blessed freedom of thoughts, hope and wishes. It not only blooms Eastern tradionalism and negates Western liberal thoughts, but also blesses the man a divine identity.

کلاسیکی فارسی شاعری کا مختصر جائزہ:

فارسی شاعری جس کی تاریخ تقریباً ایک ہزار سال پر محیط ہے (صفا۱۳۴۲، ج۱، ص۱۶۸۔۱۷۵) مضامین، طرز، اسلوب اور ہیئت کے اعتبار سے پانچ بڑے ادوار میں قابل تقسیم ہے:

۱) سبک خراسانی

۲) سبک عراقی

۳) سبک ہندی

۴) دورۂ بازگشت

۵)　　سبک نیمائی یا شعر جدید(۱)

تاریخی تناظر میں اگر دیکھا جائے تو فارسی شاعری ہر دور میں مخصوص رجحانات اور اپنے سیاسی و معاشرتی حالات سے متاثر نظر آتی ہے۔ سبک خراسانی میں قصیدے کی صنف میں بادشاہوں کے کمالات، علم نجوم و طب کی اصطلاحات کا استعمال ایک قابل فخر و مستحسن عمل کے طور پر شاعروں کے کلام میں خاص طور پر جلوہ گر نظر آتا ہے اس دور کا فارسی شاعر نشاط و کیف کا شاعر ہے۔ یہ شاعری دنیا کو بادشاہ کی نگاہ سے دیکھنے کی فنکارانہ کوشش ہے۔ سبک عراقی میں غزل رنگین سے رنگین تر ہوتی اور اپنے اندر تصوف کی گہرائی اور لہجے کی شیرینی کے ساتھ عشق حقیقی و مجازی کا خوبصورت امتزاج پیش کرتی ہے۔ اس عہد کی شاعری میں بادشاہوں کے خواہشات کی ساتھ عشق کی روایت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ (شمیسا ۱۳۷۵، ص ۱۹۴، ۲۰۹، ۲۵۸) سبک ہندی، فلسفہ اور شاعرانہ تخیل کا اظہار ہے۔ اس عہد میں فارسی شعر ایک نئے معنوی حسن اور تصوف کی روایت کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیبی اثرات سے آشنا اور متاثر ہوا ہے۔ (صفا ۱۳۷۸، ص ۵۳۷۔۵۳۸) (شمیسا ۱۳۷۵، ص ۲۷۵۔۲۹۵) سبک خراسانی اور عراقی میں شعر زیادہ تر دربار تک محدود رہا جب کہ سبک ہندی میں فارسی شعر عوام الناس تک اپنا راستہ بنانے کے ابتدائی مراحل میں داخل ہو گیا (پورنامداریان، ۱۳۸۸، ص ۴۳)، سبک ہندی کے بعد محققین اور تاریخ ادب کے مرتبین کا خیال ہے فارسی شاعری اپنے اُس روایتی حسن و دلکشی سے محروم ہوتی گئی۔ خاص طور پر دورۂ بازگشت پچھلے تین ادوار کی آواز اور انداز کا ہی انعکاس معلوم ہوتا ہے (شمیسا ۱۳۷۵، ص ۳۰۷۔۳۳۲) دورۂ بازگشت تخلیق سے زیادہ تتبع اور گذشتہ ادوار کے شعراء کے فن پاروں کا ایک ٹوٹے ہوئے آئینہ میں شکستہ عکس ہی ہے۔ دورۂ بازگشت سے قبل تک کی شاعری نہ صرف شعری غنا، فنی محاسن اور لطیف مضامین کی حامل ہے بلکہ اپنے عہد کے حالات و واقعات اور فکری رجحانات اور معاشرتی حالات سے بہر حال متاثر بھی دکھائی دیتی ہے اور کسی نہ کسی صورت نئی تعابیر کے ساتھ نئے افکار و خیالات کی تشکیل سے بھی غافل نہیں ہے جبکہ دورۂ بازگشت میں شاعری گذشتہ روایت کے زیر اثر زیادہ ہے اور اپنے عہد کے حالات و واقعات و جذبات سے بہت کٹی ہوئی ہے۔ دورۂ بازگشت میں شعراء کی استعداد یا فارسی شاعری کے بانجھ پن کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔

جدید ایران میں فارسی ادب:

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ایران میں سیاسی و معاشرتی رویوں میں یورپ کے زیر اثر نمایاں اور اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں (یاحقی ۱۳۷۵، ص ۱۳۔۱۹) تہران میں چھاپہ خانے اور دارالفنون کا آغاز جو کہ ایک جدید طرز کا پہلا علمی مرکز تھا، دیگر علمی مراکز کے قیام، سیاسی تغیرات اور ایران و یورپ کے تعلقات اور فکری تعامل نے فارسی شاعری کو ایک انقلاب سے دوچار کر دیا۔ ایسا انقلاب جو روایتی فکر و فن کی بنیادوں کو ہلانے اور انسان اور کائنات کی نئی تعریفات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ادب و شعر کی دنیا کو بھی نئے دریچوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کو جدید فارسی شاعری کا عہد کہا جاتا ہے جو کہ تقریباً بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ایرانی ادبی افق پر نمودار ہوا۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق کے بقول جدید شاعری، ایران جدید کی پیدائش کے ساتھ بھی ہے اور اس سے ذرا متقدم بھی۔ جدید شعرا اپنے عہد کے فکری ارتقاء کے سبب اور معاشرے کو خرافات سے نجات دلانے کے لیے متنوع موضوعات کی تلاش کے ساتھ ساتھ نئے قوالبِ شعری کی طرف بھی بڑھے کیونکہ نئے افکار کے لیے نیا پیمانہ اظہار وضع کرنا بھی ایک فطری امر تھا۔ (اسحٰق ۱۳۷۹، ص ۳۷) جدید فارسی شاعری میں مندرجہ ذیل رجحانات قابل توجہ ہیں:

کلاسیکیت　وہ شعراء جو مضامین، قوالب اور اسالیب میں روایتی شعراء کے زیر اثر ہیں۔ یا ایسے شعراء جن کے شعری قوالب اور اسالیب تو پرانے ہیں لیکن مضامین قدرے نئے ہیں۔

جدیدیت اسلوب اور مضامین دونوں میں جدت کے حامل شعراء یعنی وہ شعراء جنہوں نے جدید مضامین کے ساتھ ساتھ جدید قالب اور آزاد شاعری کو اپنایا۔ (اسحٰق: ۱۳۷۹ھ ش، ص ۴۱-۴۲) جدیدیت کی اس تحریک مین فطرت پرستی، وطن پرستی (ایرانیت) اور انیثیت اہم ترین رجحانات کے طور پرا بھرے۔

اس مقالے میں جدید فارسی شاعری کے فکری پہلو اور نظریہ حیات کا مطالعہ مقصود ہے اور اسی حوالے سے جدید ایرانی شعراء کا اقبال کی فارسی شاعری کے ساتھ ایک موازنہ بھی پیش کرنا ہے چونکہ جدید فارسی شاعری کا عہد اقبال کا معاصر ہے لہٰذا یہ دیکھا جائے گا کہ کیا اقبال اپنے عہد کے فارسی شعراء کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم صدا ہیں یا ان کا اسلوب اُس عہد کے فارسی شعرا سے مختلف ہے اور اگر مختلف ہے تو کیسے؟

کلاسیکیت:

گزشتہ نو صدیوں کی فارسی شاعری کی توانا روایت کے اثرات بیسیویں صدی میں بھی نہایت نمایاں اور گہرے ہیں۔ بیسیویں صدی کے نصف اول میں بھی کلاسیکی شاعری اور کلاسیکی روایت فارسی ادب کی نمایاں خصوصیت رہی ہے اور اس روایت میں کئی شعراء قابل ذکر ہیں۔ جدید دور میں پروین (۱۹۰۷ء-۱۹۴۱ء) ایک معتبر آواز، مشرقی روایات واقدار اور روایتی قالب شعر میں انسان دوستی، عدل اور قناعت کی علمبردار شاعرہ ہے۔ پروین اپنے مضامین اور قالب کے لحاظ سے روایتی کلاسیکی شاعری سے متاثر ہے لیکن وہ انسان کے روزمرہ کے غموں اور دکھوں سے بھی بے اعتنا نہیں ہے۔ پروین اعتصامی نے مختصر زندگی میں شدید سماجی اور ذہنی کرب کے باوصف شاعری کے قارئین کے لیے تازہ تر شاعری چھوڑی ہے۔ مختصر عمر میں جاودانی شہرت پانے والی پروین کی شاعری نے زمین وآسمان اور روح و مادہ کے بظاہر مختلف اور متضاد پہلوؤں کو ایک ایسی وحدت میں پرو دیا ہے کہ دنیا کے دکھ، پرسکون اخروی زندگی کے سکھ کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ استاد محمد تقی بہار (۱۳۰۴ق-۱۹۵۱ء) پروین کی شاعری کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''پروین اپنے قصاید میں بیاناتِ حکیمانہ وعارفانہ کے بعد روح انسانی کو سعی، عمل، امید، حیات، اغتنام وقت، کسب کمال، ہمت، نیکی وفضیلت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔'' (صوفی، ۲۰۰۱، ص ۲۵۷)

پروین نے مثنوی، قصیدہ، غزل اور دیگر روایتی اصناف سخن میں استادانہ مہارت کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی اور روح انسان کی جاودانی اور بلندی کا ذکر کیا ہے۔ پروین اپنی داخلی شکست وریخت کے باوجود باعزم وباحوصلہ نظر آتی ہے۔ خاص طور پر مثنوی ''لطف حق'' میں پروین نے ایمان وتصوف اور راز ورمز خداوندی کا دلکش انداز میں اظہار کیا ہے۔

پروین نے اپنی قبر کا کتبہ بھی خود ہی لکھا جو کچھ اس طرح سے ہے:

اینکه خاک سیهش بالین است　　اخترِ چرخ ادب پروین است
گرچہ جز تلخی از ایام ندید　　هر چہ خواهی سخنش شیرین است
صاحبِ آن همه گفتار امروز　　سائل فاتحه و یاسین است
دوستان به که زوی یاد کنید　　دل بی دوست دلی غمگین است
خاک در دیده بسی جان فرساست　　سنگ برسینه بسی سنگین است
بیند این بستر و عبرت گیرد　　هر که را چشم حقیقت بین است
هر که باشی و زهر جا برسی　　آخرین منزلِ هستی این است
آدمی هر چہ توانگر باشد　　چون بدین نقطه رسد مسکین است
اند رآنجا که قضا حمله کند　　چاره تسلیم و ادب تمکین است
زادن و کشتن و پنهان کردن　　دهر را رسم و ره دیرین است
خرم آنکس که درین محنت گاه　　خاطری را سبب تسکین است

(حاکمی، ۱۳۷۹، ص ۴۰)

پروین اپنی انفرادیت، تازگی، پختگی اور فکر کی بالیدگی کے باوجود اپنے مضامین، اسلوب اور قالب اظہار میں قدیم کلاسیکی روایت شعر سے شدید متاثر ہے۔ گو کہ وہ ہر جگہ اپنی آواز اور انداز کو برقرار رکھتی ہے لیکن اُس میں وہ باغیانہ رویہ نہیں پایا جاتا جو اسکے عہد میں دیگر جدت پسند شعراء میں بہت شد و مد کے ساتھ ظہور پذیر ہوا تھا۔ یوں پروین بہر حال کلاسیکی فارسی شاعری کی روایت کی ہی علمبردار سمجھی جائے گی۔

دیگر شعرا جو کہ جدید عصر میں کلاسیکی روایت کے ساتھ جڑے ہوئے بھی ہیں ان میں ملک الشعراء ارمحمد تقی بہار (۱۹۲۵) فرخی یزدی (۱۳۰۶ق، ۱۹۳۹ء)، میرزا زادہ عشقی (۱۳۱۲ھ ق، ۱۸۹۱۔۱۹۳۴ء)، رہی معیری (۱۹۰۹۔۱۹۶۹ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جدیدیت:

بیسویں صدی میں فارسی شاعری کے بلند و بالا اور طویل سلسلہء کوہ میں ایک آتش فشاں پھٹ پڑا۔ اس آتش فشاں نے شاعری کے معیارات اور قوالب کی بنیادوں کو ہلا دیا اور اُس جدید عہد کی قدیم اور کلاسیکی روایت کی شاعری سے الگ، ایک لاوے کی صورت بہتے ہوئے ایک نئے جزیرے کی صورت اختیار کر لی۔ شاید فارسی شاعری کے اندر اس کے اسباب مہیا ہوتے ہوئے کئی صدیاں لگی ہوں لیکن جیسے ہی لاوہ باہر آیا اسے اپنا رستہ بنانے میں چند سال سے زاید عرصہ نہ لگا۔ جس شخص نے اس جدید فارسی شاعری کی بنیاد رکھی اس کا نام نیما یوشیج (۱۸۹۳ء۔۱۹۵۸ء) تھا۔

قدیم اور مضبوط کلاسیکی فارسی شاعری نے، جس نے برصغیر کے شعری روایت کو بھی سیراب کیا تھا، اس عظیم تبدیلی کو اوایل میں مسترد کیا اور پھر بادل ناخواستہ اور بعد میں شعر جدید یا شعر نیمایی کی صورت میں باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا۔ وہ شخص جس نے فارسی کے روایتی قالب اور عروض وقافیہ کے معیارات سے بغاوت کرتے ہوئے اس کی تعمیر نو اور تشکیل نو کی اس کا اصل نام علی اسفندیاری اور قلمی نام نیما یوشیج تھا۔ فرانسیسی زبان وادب سے آشنائی کی وجہ سے نیما یوشیج نے وہ تاریخی کام کر دکھایا جس نے فارسی شاعری کو اپنی ہیئت، قالب اور معنی میں اس

عہد کی عالمی شاعری کے ساتھ مانوس اور مالوف کر دیا۔ فطری طور پر نیما کی اس بغاوت پر شدید ردِعمل سامنے آیا اور اس زمانے کے مستند، معتبر مجلّات نے اس کے اشعار کی اشاعت پر پابندی عاید کی اور اس کو تضحیک کا نشانہ بنایا (لنگرودی ۱۳۷۷، ص ۱۰۸) لیکن شاید وقت اور عہد بہت آگے چلا آیا تھا۔ آزاد شاعری یا شعرِ جدید معنوی سطح کے ساتھ ساتھ ظاہری سطح پر بھی روایتی شعر سے بغاوت تھی۔ یہ جدید شاعری نہ تو غزل تھی، نہ قصیدہ، نہ رباعی، نہ مثنوی، نہ ترجیع بند وغیرہ۔ جدید شعر نے اپنا قالب ریاضیاتی ساخت اور آہنگ سے ہٹ کر سمندر کی موجوں کی طرز پر تشکیل دیا۔ نیما نے اپنے کلام کی بنیاد مناظرِ قدرت، دیہاتی زندگی کے دکھ اور ایرانیت پر رکھی۔ نیما اپنے اشعار کے بارے میں کیا کہتا ہے، ملاحظہ ہو:

> ''گویا میری پرورش یافتہ آزاد طبیعت کا زندگی کے ہر مرحلہ پر کسی نہ کسی ٹکراؤ اور زد و خورد سے دو چار ہونا ضروری ہو چکا تھا۔ میرے آزاد اشعار میں وزن و قافیہ کے معیار اور حساب جدا ہوتا ہے۔ میرے اشعار میں مصرعوں کا چھوٹا یا بڑا ہونا بھی کوئی مرضی اور ذاتی رائے کے تحت نہیں۔ میں اس بے نظمی کے لیے بھی ایک نظم ایک ترتیب کا قابل ہوں۔'' (صوفی ۱۳۸۰، ص ۲۴۸)

۱۹۳۷ میں نیما فارسی شاعری کی ایک نئی شکل بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ نمونہ اشعار ملاحظہ ہو:

خشک آمد کشتگاہ من
در جوار کشت ہمسایہ
گرچہ می گویند'' می گریند روی ساحل نزدیک
سوگواران در میان سوگواران''
قاصد روزان ابری، داروگ! کی می رسد باران
بر بساطی کہ بساطی نیست
در درون کومۂ تاریک من کہ ذرہ ای با آن نشاطی نیست
و جدار دندہ ھای نہ بہ دیوارا تاقم قم دارد خشکیش می ترکد
چون دل یاران کہ در ہجران یاران،
قاصد روزان ابری داروگ کی می رسد باران (حاکمی ۱۳۷۹، ص ۷۶)

نیما یوشیج کا اصل کمال تو فارسی شاعری کو ایک تازہ پیرائیہ اور نیا طرزِ اظہار دینا ہی ہے۔ معنوی اعتبار سے نیما بالعموم مغربی شاعری کے زیرِ اثر زمینی حقیقتوں سے جڑا ہوا اور کسی مابعد الطبیعیات کا قائل نہیں۔ وہ کسی تصوف یا کسی بھی معنویت کا قائل بھی نہیں نتیجتاً اُس کی آواز جدید عہد کے کرب کا اظہار تو ہے لیکن اُس کے دکھ مداوا نہیں۔ نیما کے طرزِ اظہار سے کئی دیگر فارسی شعراء کو ایک نیا دریچہ ملا، جنھوں نے قالب اور ہیئت میں نیمائی قالب سے استفادہ کرتے ہوئے نہایت بلند شعر کہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اس حوالے سے چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ احمد شاملو (۱۳۰۴۔۱۳۷۹ھ ش)، سہراب سپہری (۱۹۲۸۔۱۹۸۰ء) فروغ فرخزاد (۱۹۳۴۔۱۹۶۶ء)، شفیعی کدکنی (۱۹۳۹ء) واضح رہے کہ ان شعراء نے ہیئت میں نیما سے استفادہ کیا ہے لیکن مضمون، نظریہ کائنات و حیات میں نہیں۔ نیمائی ہیئت کی بدولت فارسی شاعری کے معنوی تنوع میں بھی اضافہ ہوا۔

تانیثیت:

نیما نے فارسی شاعری کو ایک نیا قالب دیا تو اسی قالب میں کئی جدید افکار کا اظہار بھی ہوا۔ فارسی شاعری میں عورت کے جذبات اور عورت کی نگاہ سے کائنات کو دیکھنے کا عکس فروغ فرخزاد کی شاعری میں نہایت نمایاں ہے۔ یہاں تک کہ جدید فارسی شاعر کے رجحانات کا ذکر فروغ فرخزاد کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ فارسی شاعری میں تانیثیت کی حقیقی نمایندہ فروغ اپنی مختصر زندگی میں دو متضاد قسم کے اشعار چھوڑ گئی ہے۔ اُس نے قالب میں نیما کی پیروی کی لیکن موضوع اور مضامین میں جدت اور انفرادیت لے کر آئی۔ فروغ زندگی کے پہلے حصے میں ایک دوشیزہ کے عاشقانہ جذبات اور کیفیات کی غماز اور مذہب و دین سے باغی شاعرہ ہے۔ بے پناہ صلاحیتوں اور جرأت کی حامل فروغ ایرانی عورت کی آواز بن کر سامنے آئی۔

انسانی معاشرے میں مردانہ تسلط کی راکھ کے نیچے دبی چنگاری جو صدیوں تک زیر خاکستر تو رہی لیکن بجھی نہ تھی، فروغ کی شاعری نے اسے ایک ایسی ہوا دی کہ وہ ایک الاؤ کی شکل میں فارسی شاعری کو ایک اجنبی حدت سے آشنا کر گئی تھی۔ فروغ کی زندگی کا ایک اور رخ بھی ہے اور یہ پہلے رُخ کا ردِعمل ہے۔ اس حصے میں خدا کی جانب ایک بار پھر بازگشت ہے۔ اس دوران میں اُس کی شاعری بھی توبہ اور اقرار جرم اور قرب خدا سے معمور و لبریز دکھائی دیتی ہے۔

فروغ کی شاعری کا پہلا دور انفرادیت، جدت، بغاوت اور نسوانی جذبات کے ترجمان ہونے کے سبب آج بھی شعری دنیا میں زیادہ آب و تاب کا حامل ہے:

من خواب دیدہ ام کہ کسی می آید
من خواب یک ستارہ قرمز دیدہ ام
و پلک چشمم ھی می پرد
کفشھا یم ھی جفت می شود
و کور شوم اگر دروغ بگویم
من پلہ ھای پشت بام را جارو کردم
و شیشہ و پنجرہ را شستم

یہ مختصر نظم ایک نوجوان دوشیزہ کے جذبات کی عکاسی ہے۔ مشرق کی روایتی عورت کس قدر بے چینی سے ان لمحات کا انتظار کرتی ہے اور اگر اسے اپنے خواب کی تعبیر مل بھی جائے، جو کہ ضروری نہیں، تو اس کے بعد اس پہ کیا کچھ گزرنا باقی ہے، فروغ ان تمام تلخ حقیقتوں کا ذکر کیے بغیر ہی اس نظم میں سب کچھ کہہ دیتی ہے۔

فروغ نے فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانیں شوق سے سیکھیں اور ان زبانوں کے ذریعے مغربی ادب سے آشنا ہوئی (صوفی ۱۳۸۰، ص ۴۱۴) فروغ ایک شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایران کی فلمی دنیا میں بھی بھرپور انداز سے اپنا کردار ادا کر رہی تھی کہ ایک حادثے میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ خوشیوں کی متلاشی اور دکھوں سے متنفر فروغ خود اپنی ذاتی زندگی میں دکھی ہی رہی اور اس قدر اچانک موت سے دنیائے شعر کے ساتھ ساتھ اپنے چاہنے والوں کو بھی سوگوار کر گئی۔

تنہا تو ماندی ای زن ایرانی
در بندِ ظلم ونکبت و بد بختی
خواھی اگر کہ پارہ شود این بند
دستی بزن بہ دامن سر سخن
تسلیم حرف زور مشو ہرگز
با وعدہ ھای خوش منیشن از پا
سیلی بشو، نفرت و خشم و درد
سنگ گراں ظلم بکن از جا
آغوش گرم توست کہ پروردہ
این پر زنخوت و شوکت را
لبخند شاد توست کہ می بخشد
بر قلب او حرارت و قوت را

(فروغ فرخزاد، نبرد زندگی، شعر سرود پیکار سال اول، شمارہ ا، فروردین، ۱۳۳۴)

فارسی شاعری اور خاص طور پر بیسویں صدی کی فارسی شاعری کی جب بھی بات ہو تو اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ علامہ اقبال (۱۸۷۶۔۱۹۳۹ء) کا فارسی شاعری میں کیا مقام ہے؟ یا انہوں نے فارسی شاعری میں کیا اضافہ کیا ہے؟

بیسویں صدی میں ایران میں فارسی شاعری، روایت سے جدیدیت کی طرف سفر کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اس دور میں بھی روایتی اور کلاسیکی طرزِ کی شاعری نے نہ تو دم توڑا اور نہ ہی اس کی طرفداری میں کوئی کمی آئی۔ ہاں جدید شعراء نے نیما کی سربراہی میں نئے قوالب وہیئت کی تجربات سے فارسی شعر کے لیے ایک تازہ ہوا اور نئی روشنی کا دریچہ کھول کے اس شاعری کو بین الاقوامی ادبیات کے ساتھ ہم آہنگ کردیا۔لیکن اسی دوران میں فارسی شعر کی ایک بالکل منفرد آواز برصغیر میں اقبال کی شاعری کی صورت میں ابھری۔

برصغیر میں فارسی ادب غزنوی عہد سے لے کر اقبال تک بلاشبہ ایک مقامی رنگ وبو کے ساتھ اپنی الگ پہچان بناتا رہا۔ اور سبک ہندی، جس کا مختصر ذکر پہلے ہو چکا ہے، کی صورت میں بعض ایرانی شعراء وناقدین کے ردعمل کے باوجود ایک باقاعدہ اسلوب کی صورت میں تسلیم کرلیا گیا۔

لیکن برطانوی استعمار کی یلغار اور مغل سلطنت کے زوال کے بعد فارسی زبان کے ساتھ ساتھ فارسی شاعری نے بھی آہستہ آہستہ برصغیر میں اپنے قدم سمیٹنا شروع کردیے جو کہ اُس عہد کے سیاسی حالات کے پیش نظر ایک فطری عمل تھا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے آغاز تک فارسی شاعری تقریباً ختم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر ظہورالدین احمد کی کتاب ''پاکستان میں فارسی ادب'' کی پانچویں اور چھٹی جلد پر نظر دوڑائیں تو فارسی کی ایک طویل فہرست کا ذکر تو ملتا ہے (ظہورالدین احمد ۲۰۰۵ء) لیکن حقیقت یہ ہے کہ خال خال ہی کسی ایسے نام پہ نگاہ پڑتی

ہے جو کہ واقعی اُس عظیم شعری روایت کا نمایندہ کہلایا جا سکے جس میں بیدل و غالب جیسے شعراء شامل ہیں۔ اس عہد میں اگر کسی ایسے فارسی شاعر کا سراغ لیں جو معنوی اور فکری سطح کے ساتھ ساتھ اچھوتے طرز اظہار کا بھی حامل ہو تو صرف اور صرف اقبال کا نام آتا ہے۔ اقبال نے فارسی شاعری کو صوہ طرز اظہار بخشا جو نہ اس سے قبل تھا اور نہ بعد میں کسی کے حصے میں آیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اقبال نے فارسی زبان کو ایسا طرز اظہار دیا جو کہ ایرانیوں کے لیے اجنبی ہوتے ہوئے بھی اجنبی نہیں ہے۔ آج ادبیات کا ایرانی طالب علم بیدل و غالب کی نسبت زیادہ اقبال کے قریب ہے۔ اقبال نے زبان کی سادگی، اختراع ترکیبات، مترنم شاعری کے ساتھ ساتھ ایک آفاقی، زندگی بخش، امید افزا اور جغرافیائی حدود و قیود سے ماورا ہو کر فارسی شعر کو عصر کے درد سے نہ صرف آشنا کیا بلکہ اس درد کی دوا بھی بن گیا۔ اقبال کی فارسی ترکیبات بالکل غیر روایتی اور تازہ ہونے کے باوجود قابل فہم اور فارسی شعر کی غنایت میں ایک انمول اضافہ ہیں۔ بیسوی صدی کا ادب دو مختلف اور متضاد دھاروں میں منقسم ہے۔ اقبال، روایت پرستی اور روایت شکنی دونوں بڑے دھاروں میں نہیں ہے۔ وہ اپنی دنیا آپ ہے وہ نہ تو مشرق کی تقلید و تکریم کی روایت کا حامی ہے اور نہ ہی جدت کے نام پر مغربی افکار و اسالیب فکر و فن کو جوں کا توں اپنانے کا قائل۔ اقبال کا انسان نہ مشرقی انسان کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی مغربی طرز تفکر کی طرح اپنا خدا آپ۔ مشرق کا انسان بندہ ہے اور مغرب کا مولا لیکن اقبال کا انسان بندۂ مولا صفات ہے (اقبال، ص ۳۹۷)

فقرِ مؤمن چیست تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات

(اقبال، ۱۳۴۳ھ ش، ص ۳۹۷)

اقبال ایران و افغان کی جغرافیائی حدود سے نکل کر کسی خاص ملت یا زبان سے نہیں روح انسانی سے مخاطب ہے محمد بقائی ماکان لکھتے ہیں کہ ''دانشمندان بزرگ (اقبال، رومی، عطار) این مکتب نیز بہ خودی خود شخصیتی فرامکانی وفراز مانی می یابند۔'' (بقائی ماکان، ۲۰۰۶، ص ۱۱۸) اقبال کا انسان صرف تعظیم و تکریم کا حامل ہی نہیں بلکہ تخلیق و تکوین میں بھی خدائی صفات کا آئینہ دار ہے:

از گناہ بندۂ صاحب جنون — کائناتِ تازہ ای اید برون
شو ق بے حد پردہ ھا را بر درد — کھنگی را از تماشامی برد

(اقبال، ۱۳۴۳، ص ۳۳۹)

جستجو اور جہان تازہ کی آرزو نے اقبال کے کلام کو عصر کی بے چینی سے نکالنے اور زندگی سے محبت کا پیغام بنا دیا۔

سوز و گذار زندگی لذتِ جستجوی تو — راہ چو مار می گزد گر نروم بسوی تو
سینہ گشاہ جبرئیل از بر عاشقان گذشت — تا شرری باو فتد ز آتش آرزوی تو
ھم بھوای جلوہ ای پارہ کنم حجاب را — ھم بنگاہ نا رسا پردہ کشم بروی تو
من بہ تلاش تو روم یا بتلاش خود روم — عقل و دل ونظر ھمہ گم شدگان کوی تو
از چمن تو رستہ ام قطرہ ای شبنمی بخش — خاطر غنچہ وا شود کم نشود زجوی تو

(اقبال، ۱۳۴۳، ص ۱۲۳)

بیسویں صدی کی فارسی شاعری کے فکری رجحانات کا جائزہ

بیسوی صدی کی فارسی شاعری مندرجہ ذیل دھاروں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

۱) وہ شعراجو قدما کی طرزِ پر شعر کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اسی روایت میں اپنی شناخت بھی بنانے میں کامیاب رہے، ا
بلاشبہ اس دھارے کے شعرا فنی پختگی کے حامل ہیں اور اُن کی شاعری میں فن کے اعتبار سے سقم ڈھونڈ نا نہ صرف ناممکن ہے، بلکہ اُن کی تراکیب ومحاورات کو سند کے طور پر بھی پیش کیا جاسکتا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ شعراء خواہ پروین ہو اور خواہ بہار وغیرہ، اپنے عصر میں رہتے ہوئے ماضی پرستی اور روایت پرستی سے باہر نہیں آسکے۔ پروین وعظ ونصیحت تو کرتی ہے لیکن اپنے زمانے کے دکھ کو محض فردی سطح پر ہی بیان کرتی ہے اور اُس کا مخاطب بھی فرد ہے نہ کہ معاشرہ۔ وہ کسی ظلم کے خلاف بغاوت کا نہیں بلکہ صبر وقناعت کا درس دیتی ہے جو کہ بجائے خود ظلم کی حوصلہ افزائی ہے۔

۲) وہ شعراء جنہوں نے موضوع، ہیئت اور معنی میں نئے تجربے کیے۔ جن میں خاص طور پر شعر جدید کا بانی نیما قابل ذکر ہے۔
اس دور کی عمومی شاعری موضوع اور معنی کے اعتبار سے معروضی شاعری ہے۔ عمومی طور پر اس طرز سخن میں موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عناصر مشترک ہیں۔

۱) معروضیت

۲) عامیانہ زبان کا استعمال

۳) آزادی پسندی

۴) وطنیت

۵) جدید علوم کے اثرات۔ (یاحقی ۱۳۷۵، ص ۱۸۔۲۱)

نیما نے فارسی شاعری کے قالب کو توڑ کے یقیناً اظہار کے پیمانے کو وسعت عطا کی ہے لیکن نیما کبھی بھی امید اور زندگی کا شاعر نہیں بن سکا۔ اُس کے ہاں فطرت کے مناظر کی دلکش تصویر تو ہے لیکن وہ فطرت کے جبر سے آزادی کا خواہاں ہونے کے باوجود اس مقصد کے حصول میں ناامید ہی دکھائی دیتا ہے۔ اُس کی نظم ''داروگ'' جو کہ اس مقالے کے پہلے حصے میں ہے اُس کی یاسیت اور ناامیدی کا واضح نمونہ ہے۔
طرز نیمائی ہی کے زیر اثر لیکن معنوی اعتبار سے مختلف رجحان فروغ کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔ بیسوی صدی کی فارسی شاعری میں یہ رجحان تانیثیت کے نام سے جانا جاتا ہے جو کہ پہلی بار بڑی شدومد کے ساتھ فروغ فرخزاد کی شاعری میں ظاہر ہوا۔ فروغ واقعتاً فارسی شاعری میں عورت کے جذبات کی ترجمان بن کے اٹھی لیکن اُس کے اپنے بقول یہی خیالات اُس کی ذاتی اور ازدواجی زندگی کی ناکامی اور معاشرتی تنہائی کا باعث بھی بنے اور فروغ نے اس بات کا اعتراف یوں کیا کہ میں نے عریانیت کی شاعری بہت کی۔ (یاحقی ۱۳۷۵، ص ۱۳۱)

فروغ نے بلاشبہ عورت کے جذبات کی ترجمانی کی لیکن اپنے اس موقف کی وجہ سے وہ زندگی میں کئی ناکامیوں کا شکار ہوئی، جس نے فروغ کو اندرونی شکست وریخت سے دوچار کیا اور ادبیات کے ناقدین کو یہ سوچنے پر مجبور بھی کیا کہ مغرب کے افکار اور مغربی تہذیب کی تقلید میں، اس کے مضر اثرات کو مدنظر رکھے بغیر، کسی بھی بہاؤ میں آکر کسی فکری تحریک کا حصہ بننے کا فطری اور منطقی انجام فرد کی اندرونی اور سماجی شکست ہی تو نہیں؟ فروغ عصر حاضر کے انسان کو تنہائی کے عذاب سے نکالنے میں نہ صرف ناکام ہے بلکہ خود اُس کا شکار ہے۔
گذشتہ رجحانات کو اگر ناقدانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ایک بات واضح ہوجاتی ہے کہ بیسویں صدی کی فارسی شاعری روایت پسندی

اور روایت شکنی کی کشمکش اور فکری تعامل اور تصادم کی داستان ہے۔ اور جدید و قدیم کی اس جدلیات میں فارسی شاعری نے ایک نیا طرز اظہار اپنا بھی لیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے زیر اثر کئی فکری تحریکوں نے فارسی شاعری میں اپنا رستہ بنایا۔ روایت پسند شعراء زمینی حقائق سے زیادہ آسمانی لطائف پہ بھروسہ کرتے ہیں اور شعر کو ایک لذت اور فن کے اعتبار سے دیکھتے ہیں جبکہ روایت شکن شعراء فارسی شاعری کو انسان کے زمینی مسائل سے جوڑتے ہیں۔ لیکن زمینی مسائل کے حل کے بجائے وہ مایوسی اور نا امیدی کا شکار ہیں اور عصری تنہائی ناامیدی کے زہر کے ساتھ مل کر عصر حاضر کے انسان کے مسائل کا اظہار تو بنتی ہے لیکن دوا نہیں۔ بلکہ فرد کو شدید تر ذہنی، شناختی اور سماجی مسائل سے دوچار کرتی ہے۔ ان حالات میں اقبال نے فکری سطح پر فارسی کو امید، انسان کی عظمت، آزادی اور نیابت خداوندی کا سبق دیا۔ وہ نہ تو مشرق کا پرستار ہے نہ مغرب کا مداح۔ وہ عالم افکار میں زلزلہ تو چاہتا ہے لیکن اُس کی تعمیر نو کا پیغام بھی دیتا ہے۔ اقبال کی زبان پر ایرانیوں نے اعتراضات کیے اور بعض نے پسند بھی کی۔ اس حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کی زبان کے حوالے سے اردو شاعری پر بھی اعتراضات کیے گئے ہیں جن کی تفصیلات (cantwell, Lahore, 1947, pp, 114-166)۔ (ساکت ۱۳۸۵ص ۴۰۹) (ایوب صابر ۲۰۰۳، ص ۳۳۔۵۰) کے ہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یقیناً اقبال ایک تخلیقی شاعر ہونے کے ناطے اردو اور فارسی زبان کو ایسی اصطلاحات، ترکیبات اور لہجہ دے گیا ہے جو کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔

فارسی شاعری میں اقبال نے تمام قدیم شعراء کی زمینوں سے استفادہ ضرور کیا لیکن مفاہیم کے حوالے سے اُس کا سارا کلام تازہ ہے۔ اقبال کی شاعری نے انسان کو ایک الوہی شناخت اور حیات بخشی ہے جبکہ اُس کے ہم عصر فارسی شعرا کبھی ایرانیت اور کبھی لسانیت میں اپنی شناخت دیکھتے ہیں، لیکن دراصل وہ مغربی فکر کی چکا چوند روشنی میں اپنا نور بصیرت کھو دیتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی شناخت بھی۔ اقبال نے اگر مشرق میں بیدل کی شاعری کی ستائش کی ہے تو وہ بھی اسی لیے کہ وہ انسان کو خدا باور تو بناتا ہے لیکن اُس سے قبل خود باوری کا درس دیتا ہے۔ (اقبال ۲۰۰۳، ص ۹)

حواشی و حوالہ جات

۱) سبک کے لفظی معنی طرز یا اسلوب کے ہیں۔ فارسی ادبیات کی تاریخ میں محمد تقی بہار پہلا شخص ہے جس نے یہ لفظ stylistics کے لئے استعمال کیا اور آج، اسلوب کا رائج ترجمہ سبک ہے، مزید تفصیلات کے لیے محمد تقی بہار کی کتاب سبک شناسی نثر اور سیروس شمیسا کی کتاب سبک شناسی نظم قابل توجہ ہیں۔

۲) فارسی شعر کی تاریخ اور تطور اور آغاز وارتقا پر مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ا ہے۔

۱) A literary history of Persian by A.G. Browne.

۲) کہنہ ترین نمونہ شعر فارسی از شفیعی کدکنی

۳) تاریخ ادبیات ایران از رضا شفیق زادہ

۴) تاریخ ادبیات در ایران از دکتر ذبیح اللہ صفا

۵) شعر العجم از شبلی نعمانی

۶) در سایہ آفتاب از پور نامداریان

۳) آزادی کا موضوع شعر جدید کا بنیادی حصہ رہا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر نور محمد مہر کی کتاب فکر آزادی در ادبیات مشروطیت خاص طور پر قابل توجہ ہے۔